

# یورپ میں محکمہ احتساب عقائد کے ستم خوردوں پر ایک نظر

سلطان احمد اصلاحی

موجودہ دور میں مذہب کے دائرے کو محدود ادارے سے تنگ سے تنگ تر کرنے میں پامال مسیحیت کا جو بدناما کردار ہے اہل نظر اس سے ناواقف نہیں ہیں۔ مسیحیت کے اس کردار کا سب سے بدترین مظاہرہ ہمیں وہاں 'احتساب عقائد' کی عدالتوں کی کارروائیوں میں نظر آتا ہے جس کا صحیح اندازہ ہم اس کے ستم خوردوں پر ایک نظر ڈال کر ہی کر سکتے ہیں۔ احتساب عقائد کی ان عدالتوں کی کارروائیوں کے نتیجے میں کتنے لوگوں کو نذر آتش کیا گیا اور کتنے وہ لوگ تھے جو تہذیب خانوں کی ایذا رسانیوں کی تاب نہ لا کر اس دنیا سے چل بسے، سچ یہ ہے کہ اس کا صحیح حساب بتانا مشکل ہے۔ تاہم رومن کیتھولک مصنف لورنٹ (Lorenz) جو کئی سالوں تک اسپینی عدالت احتساب میں بحیثیت سکریٹری کے کام کر چکا ہے، اس کا اندازہ ہے کہ ان عدالتوں کے تحت صرف ۱۲۸۱ سے ۱۵۱۷ تک یعنی چالیس برس سے بھی کم مدت کے عرصے میں تیرہ ہزار افراد کو زندہ نذر آتش کیا گیا، بقیہ سترہ ہزار وہ تھے جنہیں دیگر مختلف قسم کی سخت سزاؤں کا مستحق قرار دیا گیا جس پر جی۔ آر۔ اسکاٹ تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ اعداد و شمار ستم خوردوں

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم الحروف کا مضمون 'محدود تصور مذہب کا پس نظر' مطبوعہ

تحقیقات اسلامی، اپریل تا جون ۱۹۷۷ء۔

کی واقعی تعداد سے زیادہ تو کیا یقیناً اس سے کم ہی ہوں گے۔ اسی طرح اس کے ایسا  
 سے ۱۵۷۶ء میں سینٹ بارٹھولیمیو کی شام (St. Bartholomew's Eve)  
 کے ایک ہی موقع پر دس ہزار پروٹسٹنٹوں کو انتہائی بے رحمی کے ساتھ ذبح کر کے رکھ  
 دیا گیا تھا جس پر گرگوری سیزدہم (Gregory XIII) کو عزت افزائی کے طور پر ایک  
 انعامی نسخہ بھی ملا تھا۔

یہ توخیر ایک مجموعی اندازہ اور بڑے پیمانے پر ایک واقعے کی تفصیل تھی۔ انفرادی واقعات  
 کی مثالیں بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ روکس (Rochus) جو سینٹ لوسر (St. Lucer)  
 (اسپین) کا رہنے والا ایک مجسما ساز (Craver) تھا اسے محض اس جرم کی پاداش میں کہ اس  
 نے کنواری مزیم کے ایک مجسما کو ہرما کر دیا تھا کھمبے سے باندھ کر زندہ جلادیا گیا۔ اسی طرح  
 ایک دوسرا شخص فرمنڈو (Ferdinando) جو ایک پروٹسٹنٹ اسکول ماسٹر تھا  
 اسے اس بنا پر کہ وہ اپنے شاگردوں کو اپنے عقیدے کے اصولوں کی تعلیم دیتا تھا پہلے تو اس  
 کی ایذا رسانی کی گئی پھر نذر آتش کر دیا گیا۔ ایک دوسرا پروٹسٹنٹ جان ایون (John Egan)  
 نیز اس کے علاوہ اسی عقیدے کے پیر و اسپینی باشندے جو ہاگ کراٹکلیٹر پہنچانا چاہتے تھے انہیں  
 انکوژیشن کے ایجنٹوں کے ذریعہ گرفتار کر لیا گیا۔ پھر ان کی ایذا رسانی کی گئی انہیں بھوکوں مارا گیا  
 اور آخر میں ان سب کو جلا کر خاک کر دیا گیا۔ اسی طرح ایک دوسری نوجوان عورت کو جس نے  
 پروٹسٹنٹ عقیدہ اختیار کر لیا تھا اور اپنے پرانے راہبہ (Nun) کے منصب پر چلنے  
 سے انکار کر دیا تھا آگ کے شعلوں کی نذر کر دیا گیا۔ کرسٹوف لوساڈا (Christopher Losada)  
 جو اپنے وقت کا ممتاز ماہر طبعیات تھا اسے بھی اسی جرم میں کہ اس نے پروٹسٹنٹ عقیدہ اختیار  
 کر لیا تھا باندھ کر جلادیا گیا۔ اسی طرح سینٹ اسیڈور (St. Asidore) (سیویل) کی  
 خانقاہ کا ایک راہب (Monk) جس نے پروٹسٹنٹ مذہب اپنایا تھا اسے بھی  
 پہلے تو ایذا رسانی کا شکار بنا لیا گیا پھر نذر آتش کر دیا گیا۔ ایک دوسری مثال ٹولڈو (Toledo)

- (1) History of Torture Throughout the ages P. 81.
- (2) Religion as a Bar to Progress P. 33

کے ایک پروٹسٹنٹ خوش نویسی کے استاذ کی ہے جسے اس جرم میں کہ اس نے اپنے  
 ہاتھوں سے انہوں دہکاڑ (Ten Commandments) کو تمام وکمال  
 لکھ کر اپنے مکان کے ایک کمرے کی دیواروں کو سجا رکھا تھا ۳۳۳ میں (Valla  
 doled میں کھبے سے باندھ کر زندہ آتش کر دیا گیا۔

انکوزیشن کی ستم خوردہ ایک اور نفلونہ کی داستان ام سے جو اگرچہ صوبے سے لیکن  
 موضوع کے لحاظ سے اس کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ ایک برطانوی خانوں کی داستان  
 ہے جس کی شادی واسکونسلس (Vasconcellos) نامی ایک شخص سے  
 ہوئی تھی۔ یہ پورٹ میرا (Madeira) میں رہتی تھی۔ شہر کی بات ہے جب اس  
 پر بے دینی (Heresy) کا الزام لگا اور اسے لسان کی انکوزیشن کے حوالہ کیا گیا۔ اس  
 عورت کو سڑھے تو مہینے تک ایک ایسے جرم کی پاداش جس سے برأت کا وہ اپنے بس  
 بھر اظہار کرتی رہی زیر زمین قید خانے (dungeon) میں رکھا گیا، جس میں کھانے  
 کے لئے اسے صرف روٹی اور پانی ملتا تھا اور سونے کے لئے سن سے شہر لورچینی کا ہتھ  
 تھا۔ جرم کا اقبال کرنے کی غرض سے اسے متعدد بار گرہ دار کوڑوں سے مار کالی گئی۔ اس  
 کے پستان کو آگ میں سرخ کئے ہوئے لیپوں سے تین مختلف مقامات پر داغا گیا اور اس سے  
 ہونٹے والے زخموں کو چھوڑ دیا گیا کہ وہ اپنے آپ مند مل ہوتے رہیں۔ آخری طور پر اسے  
 ایک بار کچھریا ہار سانی کے کمرے (Torture Chamber) میں بلایا گیا۔ اور  
 سزا دہندہ (Executioner) کی طرف سے اسے سجدہ کر سی پر بیٹھے کا حکم دیا گیا جس  
 سے اسے رسیوں سے اس طرح باندھ دیا گیا کہ وہ ہلکے سے ہلکے طور پر بھی حرکت نہ

لے پایا بیٹ کے پیروں (Papists) نے دوسرے نمونے کے اس جرم کو حذف کر رکھا تھا جس میں قول اور  
 موتیوں کے پوجنے کی مخالفت کی گئی تھی ملاحظہ ہو:  
 History of Torture Throughout the Ages P. 82  
 لکھ ملاحظہ ہو جی آر۔ اسکاٹ کی کتاب مذکور :-

History of Torture Throughout the Ages P. 81, 82

کر سکے اس کے بعد اس کے بائیں پیر کی چیل اتر ددی گئی اور اس کی جگہ ایک آہنی چیل جو آگ میں ڈال کر سرخ انگارہ کر دی گئی تھی، اس کے ننگے پیر سے باندھ دی گئی، جسے اس پاؤں کے ساتھ لگی رہنے دیا گیا تا آنکہ اس کا گوشت ہڈی تک بھون اٹھا۔ غریب عورت اس لذت کی تاب نہ لا کر اپنے پوش و حواس کھو بیٹھی۔ اس کے بعد اس پر اس بری طرح سے کوڑے برسائے گئے کہ اس کی پیٹھ کا گوشت کندھے سے لے کر کمر تک چیمڑے بن کر اڑ گیا۔ اس کے بعد انھوں نے اسے اس کے داہنے پاؤں میں آگ میں سرخ کئے ہوئے اسی آہنی چیل کو پھینک کر دھکی دی۔ اب اس کے اندر مزید ایذا رسانیوں کے سہنے کی مطلق تاب نہ تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے سامنے رکھے گئے فرد قرار داجرم پر اپنے دستخط ثبت کر دیئے۔

اسی طرح ایک دوسری خاتون جن بورقیہ (Jane Borquia) جس کا تعلق سیولی کے نواب خاندان سے تھا اسے اس جرم میں کہ وہ اپنے ایک دست سے پروٹسٹنٹ مذہب کے بارے میں گفتگو کر رہی تھی، پکڑ لیا گیا اور حوالہ زندان کر دیا گیا۔ اس وقت وہ حمل سے تھی۔ لیکن ولادت کے فوراً ہی بعد جب کہ وہ قابل رحم حد تک کمزوری کی حالت میں تھی اسے تختہ تعذیب پر لٹا کر اس شدت سے شکنجے میں کسا گیا کہ اس کا گوشت کٹ کر ہڈیوں تک راستہ صاف ہو گیا۔ اور اس کے منہ سے خون کے فوارے جاری ہو گئے۔ بیماری غریب ایک مہینے کے اندر ہی موت کے منہ میں چلی گئی۔

مختصر یہ کہ انکوڈیشن کو اتنا زبردست اقتدار حاصل تھا کہ مزعومہ مجرموں کو جو سزا چاہتی دے سکتی تھی۔ نہ تو اس سے کوئی باز پرس کی جاسکتی تھی اور نہ اس کے کسی اقدام میں کوئی رکاوٹ کھڑی کی جاسکتی تھی۔ اس کے آہنی پنجوں میں کس جانے کے بعد بس خدا ہی تھا جو کسی اس عذاب سے نکل سکتا تھا۔ ورنہ اس کے بڑھے ہوئے اختیارات کے سامنے اوروں کو تو چھوڑیے بڑے بڑے شاہزادوں اور شہنشاہوں کو بھی دہمارنے کی مجال نہ تھی۔ ڈان کارلوس (Don Carlos) سے بڑھ کر اہم شخصیت اور کس کی ہو سکتی تھی جو شہنشاہ

فلپ دوم کا بڑا اٹکا اور بظاہر حالات تخت و تاج کا امکانی وارث تھا۔ خدا کے نام پر یاد دہیں کی طرف سے کئے جانے والے مظالم اور زیادتیوں سے جزبہ ہو کر ڈان کارلوس نے ایک سے زیادہ مواقع پر اپنے دوستوں اور نئے نکلے احباب کے درمیان احتساب عقائد کی عدالت کے ذمہ داروں (Inquisitors) کی طرف سے اپنائے جانے والے طور طریقوں کے خلاف نعرہ جو شبلی تقریریں کر دیں۔ بات مقدس عدالت (Holy office) کے کانوں تک پہنچ گئی اور شہزادہ گرفتار کر لیا گیا۔ فلپ ایک تو اچھی طرح واقف تھا کہ بادشاہ کے بالمقابل اپنی عدالت احتساب کے اختیارات، کہیں زیادہ ہیں اور دوسرے یہ کہ اسے اپنے اس بیٹے سے بہت زیادہ لچسپی بھی نہیں تھی چنانچہ اس نے اس معاملہ میں مداخلت کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی نتیجہ ظاہر تھا۔ ڈان کارلوس کو بے دینی کا مجرم قرار دیا گیا اور اسے موت کی سزا سنائی گئی۔ البتہ اس کے مرتبہ کا لحاظ رکھتے ہوئے اسے ایک رعایت یہ دی گئی کہ مرنے کی صورت کا انتخاب وہ اپنے طور پر کر سکتا ہے۔ اس کا فیصلہ تھا کہ اس کی کسی رگ کو کاٹ کر کھلا چھوڑ دیا جائے جس سے خون رس جائے اور وہ اپنے کو موت کے منہ میں ڈال سکے۔

### ایلیس جنیسز اور والدنس (ALBIGENSES & WALDENSES)

بے دینی کے نام پر باشندگانِ یورپ پر کلیسا کا یہ ظلم و ستم واقعہ یہ ہے کہ انسان کو نفس مذہب سے بیگانہ بلکہ بیزار کر دینے کے لئے بہت کچھ کافی ہے۔ لیکن کلیسائی خون آشامیوں کی داستان اس سے بھی زیادہ درد انگیز ہے جس کا مظاہرہ ہمیں اپنے خیال کے مطابق راہ حق سے ہٹے ہوئے اور گمراہ دو فرقوں کے خلاف اس کے کارروائی میں نظر آتا ہے۔ یعنی ایلیس جنیسز اور والدنس۔

ایلیس جنیسز

جیسا کہ اشارہ کیا گیا یہ فرقہ بارہویں صدی عیسوی میں وجود میں آیا اور دراصل اسی کو

صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے پوپ انوسنٹ سوم کی طرف سے دہولی انکونزیشن کا قیام عمل میں آیا تھا یہ لوگ جنوبی فرانس کے شہر ایلی کے رہنے والے تھے اور امیر لوٹوس (Count of Toulouse) کی رعایا تھے۔ اسی کی مناسبت سے ان کا یہ نام 'ایلی جنیسز' پڑا تھا یہ لوگ صنعت و حرفت میں بہت آگے تھے اور عوام انھیں بڑی احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ تیرہویں صدی کی ابتدا میں پوپ انوسنٹ نے ان کو نیت ذابود کرنے کے لئے اپنی کارروائی کا آغاز کیا جس کی تفصیل باروی رابن سن کے لفظوں میں اس طرح ہے۔ "اس مفر الحال سرزمین کے باشندوں کے خلاف ان انوسنٹ سوم نے ۱۲۰۸ء میں ایک صلیبی جنگ کا وعظ کیا۔ ایک لشکر جزیرہ سائٹن ڈی ہانٹ فورٹ کی ماتحتی میں شمالی فرانس سے روانہ ہو کر اس بد نصیب حصہ ملک میں پہنچا اور تاریخ کی ایک بڑی خون ریز اور نہایت سیرم لڑائی کے بعد قاطعہ سب کو دہج کر کے بے دینی کو روک دیا۔"

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مصنف مذکور مزید لکھتا ہے:-

"اس وقت اس جنگ نے تہذیب کی ترقی کو بھی روکا کیوں کہ فرانس کے

نہایت روشن خیال حصہ کی مفر الحالی کو برباد کر کے رکھ دیا گیا تھا۔"

پہلے تو پوپ نے امیر لوٹوس کو یہ حکم دیا کہ وہ ان بے دینوں کو اپنے علاقے سے نکال باہر کرے۔ جس کی تعمیل نہ ہونے پر اس نے ان کے خلاف مقدس جنگ (Crusade) کا اعلان کر دیا اور اس میں شریک ہونے والوں کو اس نے ان تمام انعامات کا مستحق گردانا جو عام طور پر اس جنگ کو لڑنے والوں (Crusaders) کو ملتے تھے۔ جس میں یہ

۱۔ یہ لوگ اپنے آپ کو کتھاری یعنی پاکیزہ کہتے تھے۔ گیارہویں صدی عیسوی میں ان کے خیالات کو اٹلی میں قبول عام حاصل ہوا اور بارہویں صدی میں بہت کثرت سے خصوصاً جنوبی فرانس میں پھیل گئے۔ ان کے عقائد کی تفصیل اور اس کے تاریخی تسلسل کے لئے ملاحظہ ہو۔ تاریخ مغربی یورپ صفحات ۲۲۲ تا ۲۲۵

A History of Freedom of Thought P. 40

۱۵ تاریخ مغربی یورپ ۲۲۵

حکومت کے ستم خوردوں پر ایک نظر

بات بھی شامل تھی کہ انھیں ان کے تمام گناہوں سے پاک صاف تصور کیا جائے گا۔ اس کے نتیجے میں بے درپے تین ریز جنٹس ہوئے جن میں مشہور انگریز (English man) (Simon de Montfort) ساکن ڈی مانٹ فورٹ بھی شریک رہا جن میں بڑے پیمانے پر جاندار و املاک اور کائنات کو جلائی گیا اور مردوں، عورتوں اور بچوں کو پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ یہ جنگ ۱۲۲۹ء میں ختم ہوئی۔ جب کہ ان لوگوں کا زور پوری طرح ٹوٹ چکا تھا اور امیر ٹولوس نے اپنے کو مکمل طور پر جلائیوں کے حوالہ کر دیا تھا۔

یہ بد نصیب فرقہ جس کا واحد جرم یہ تھا کہ وہ کلیسائے روم (Church of Rome) کے عقائد اور اس کے خیالات (Doctrines) سے متفق نہ تھا، اسے صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے یہ جنگ جو تیس سال تک جاری رہی اس میں ان بے دنیوں کے خلاف جیسا کہ پوپ کی طرف سے انھیں اسی نام سے یاد کیا جاتا تھا، ہر طرح کے ظالمانہ سلوک اور ایذا رسانی کو جس کا تصور کیا جاسکتا تھا روا رکھا گیا۔ اس ظلم کی تاب نہ لا کر بہت سے لوگوں کی بہتیں جو اب دے گئیں اور وہ اپنے ان عقائد سے دست بردار ہو کر جن کو وہ صحیح سمجھتے تھے دوبارہ رومن کیتھولک عقائد کے قائل ہو گئے چنانچہ خود امیر ٹولوس (Earl of Toulouse) نے حالات سے مجبور ہو کر انتہائی خوف و ہراس کے عالم میں اپنے کو کلیسے ہم آہنگ کر لینے کی پیش کش کر دی۔ لیکن مخالفین کی طرف سے اس کی اس پیشکش کا جس طرح استقبال کیا گیا وہ دیکھنے کے لائق ہے جس کی تفصیل زیوس (Zyous) کے لفظوں میں اس طرح ہے:

’امیر جس نے کلیسائے روم سے وفاداری کی قسم کھالی تھی۔ اب جب اس طرح اس نے اپنے کو قسم کے ذریعہ پا بند کر لیا تو پاپا کے نائب پادری نے حکم دیا کہ اسے مجرموں کا لباس پہنا کر وہیں سے گھسیٹتے ہوئے چرچ میں لایا جائے جہاں اس نے اسے کوڑے کی سخت مار لگا کر معافی عطا کی۔ کوڑے کی اس مار سے وہ اس طرح چور ہو گیا تھا کہ جس دروازے

سے وہ اندر داخل ہوا تھا اب اس سے باہر نکلنے کے قابل نہ تھا۔ چنانچہ چرچ کے پست دروازے سے تقریباً برہنہ حالت میں اسے باہر کیا گیا یہی نہیں بلکہ یہی حالت اس کی تادم آخر باقی رہی۔ اسی حالت میں اسے مرنے کے بعد قبر میں لٹایا گیا۔

اس سلوک کا مستحق تو اپنے علاقے کے حکمران کو قرار دیا گیا۔ عام لوگوں کے ساتھ جو ردیہ اپنایا گیا وہ اس سے بھی بدتر تھا۔ چنانچہ ۱۲۱۱ء میں جب کیبرٹ کے قلعہ (Castle of Cabaret) کا سقوط عمل میں آیا تو اس کے فوجیوں کو گھبوں سے باندھ کر نذر آتش کیا گیا یا اسی طرح کے دیگر تکلیف دہ ذرائع سے انھیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔ قلعہ کی مالکہ (Lady of the Castle) کو زندہ ہی ایک گڑھے میں گھرا کر دیا گیا اور پھر اس کو پتھروں سے بھر دیا گیا۔ اسی طرح جب مارموڈ (Marmoude) نے شرائط پر ہتھیار ڈال دیئے تو پانچ ہزار مردوں، عورتوں اور بچوں کو ذبح کر کے رکھ دیا گیا۔ دوسرے نام نہاد بے دین فرقے بھی اسی انجام بد سے دوچار ہوئے جس کا نشانہ بیارے ان ایلی جنینہ کو بنایا گیا تھا۔ ایسا ہی ایک فرقہ اپوسٹولیکس (Apostolicals) کا تھا، یہ لوگ رسولوں (Apostles) کے طرز پر، سفید لباس پہنتے اور ننگے سر رہا کرتے تھے۔ گرہارڈ سیگارٹس آف پارا (Gerhard Sagarellus of Parma) جو اس فرقے کا بانی تھا ۱۲۱۰ء میں اسے نذر آتش کر دیا گیا۔ سات سال بعد اس کے جانشین ڈلسینو آف نوارہ (Dulcino of Novara) اور اس کی بیوی مارگریتھا (Margaretha) کو عوام کے ایک بڑے مجمع کے سامنے آسمکڑوں (Hooks) اور دیگر آلات سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ اس کے بعد ان کے کٹے پٹے اعضاء جہم کو آگ کے منہ میں دیدیا گیا۔

والد نس

اس سے بھی زیادہ دردناک داستان اس بد نصیب فرقے کی ہے جسے تاریخ

(1) History of Torture Throughout the Ages P 145, 146



محکمہ احتساب کے ستم خوردوں پر کی نظر

میں والدینس کے نام سے جانا جاتا ہے یہ ذرتہ بھی جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا بارہویں صدی عیسوی میں وجود میں آچکا تھا تھا۔ آگے کئی صدیوں تک اگرچہ یہ لوگ مختلف اوقات میں کلیسا کے ظلم و ستم کا نشانہ بنتے رہے لیکن بحیثیت مجموعی ان کے خلاف کسی کارروائی کو ضروری نہیں سمجھا گیا لیکن سترہویں صدی عیسوی میں جب کہ کلیسا کے مظالم (Persecution) سے بچنے کے لئے اپنے اپنے ملکوں کو چھوڑ کر یہ لوگ پڈمانٹ (Piedmont) کی دادی میں اقامت گزریں ہو چکے تھے۔ ان بے دنیوں کے خلاف برٹسے پیمانے پر کارروائی کا آغاز ہوا۔

چنانچہ ۲۵ جنوری ۱۶۵۵ء کو ڈیوک آف سیوائے (Duke of Savoy) کی ہدایت کے مطابق انڈریو گاسٹالڈو (Andrew Gastaldo) نے جو مشہری قانون میں ڈاکٹر ٹیٹ کی ڈگری بھی رکھتا تھا درج ذیل فرمان جاری کیا۔

”یہ کہ اس اصلاح یافتہ مذہب کے ہر خاندان کا سربراہ، اپنے خاندان کے تمام افراد کو بلا لحاظ اس کے کہ وہ کس رتبہ کا ہے، نیز یہ کہ کس عمر (Degree) اور کس حالت میں ہے، کسی استثنائے بغیر ان میں سے جو لوگ بھی فلاں فلاں مقامات پر رہے ہیں (جس کے بدلہ مقام کی تہذیب ہے) اس فرمان کے سننے کے تین دن کے اندر اندر اپنے اپنے ٹھکانوں سے باہر نکل آئیں جس کی عدم تعمیل پر وہ سزائے موت کے مستحق ہوں گے اور مکانِ میت ان کا تمام مال اور اثاثہ ضبط کر لیا جائے گا سوائے اس کے کہ وہ اس دی گئی مدت کے اندر اندر دوبارہ رومن کیتھولک عقیدہ اختیار کریں“۔

اس فرمان کا نتیجہ تھا کہ بیچارے اس غریب فرقے پر انتہائی بے رحم کارروائی کا آغاز ہو گیا جس میں کیتھولک عوام کے علاوہ باقاعدہ فوج بھی شریک تھی چنانچہ ایک عینی مشاہد کا بیان ہے کہ مسلح افراد کا ایک جم غفیر بہت ہی ہیبت ناک طریقے پر والدینس

۱۷ ان کے عقائد اور خیالات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ہاتھ مغربی یورپ ص ۲۲۳، ۲۲۵

(2) History of Torture Throughout the Ages P 56

پروٹو پٹرا اس کے بعد اس کے سوا کچھ نہ نظر آتا تھا کہ ہر طرف ٹوٹ و ہراس اور مایوسی اور اداسی منہ گھولے کھڑی تھی۔ گھروں کے فرش خون سے تر بہ تر تھے مردہ لاشوں سے سر کیس اور گلیاں پٹی پڑی تھیں۔ اور ہر طرف سے بس سسکیوں اور کرہوں کی آواز ہی سنائی دیتی تھی کچھ لوگوں نے بہت سے کام لے کر اپنے کو مسلح کیا اور چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر اس نوحہ سے بڑنے کی کوشش کی لیکن دوسرے بہت سے تھے جو اپنے اپنے خاندان سمیت پہاڑوں میں جا چھے۔ صرف ایک گاؤں کے اندر جب کہ وہاں سے مرد آبادی بھاگ چکی تھی ان ظالموں نے ڈیڑھ سو عورتوں اور بچوں کو چیر کر رکھ دیا، عورتوں کا تو انھوں نے سر قلم کیا اور بچوں کو لے کر ایک دوسرے سے اس طرح ٹکرایا کہ ان کے بھیجے سر سے باہر نکل آئے۔ ولارو (Villaro) اور بوبیو (Bobio) کے دو قصبات میں وہاں کے باشندوں کی اکثریت جنھوں نے عشائے ربانی (Mass) میں جانے سے انکار کیا، تو ان میں سے جن کی عمریں پندرہ برس سے زیادہ تھیں ان کو تو انھوں نے اٹے صلیب پر لٹکا دیا، اور زیادہ تعداد ان میں اس سے کم عمر والوں کی تھی انھوں نے ان کا گلا کھونٹ کر کام تام کیا،<sup>۱</sup>۔

سپاہیوں نے اپنے ظلم و بربریت کا مظاہرہ جس انتہائی سفاکانہ انداز میں کیا اس کی مثال مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔ آخری سزا سے پہلے ہر ممکن طریق سے لوگوں کے اعصاب کی قطع و برید کی جاتی تھی۔ اور اکثر و بیشتر مثالوں میں تو آخری ضرب لگائے بغیر مظلوموں (Victims) کو چھوڑ دیا جاتا تھا کہ وہ بھوک کی تاب نہ لا کر یا بدن کا خون بہ جانے سے موت کے منہ میں چلے جائیں۔ ایسا گارسینو (Asiah Garcino) ایک ایسا ہی شخص ہے جسے کسی استعلاء کے طور پر نہیں بلکہ لفظی معنوں میں قید بنا کر رکھ دیا گیا تھا۔ میری ریائیڈ (Mary Raymondet) وہ بد نصیب عورت تھی جس کی رائوں اور جسم کے دوسرے گدازھوں (Bones) سے گوشت ٹکڑے ٹکڑے کر کے نکالا جاتا رہا یہاں

محکمہ احتساب کے ستم خوردوں پر ایک نظر

تک کہ اسی دہشتناک تکلیف کی حالت میں اس کی موت آگئی۔ گیوانی پلانچین (Giovanni Pelancon) کی ایک ٹانگ کو اڑیل ٹو (Mule) کی دم سے باندھ کر لوسیرن (Lucerne) کی گلیوں میں خوب خوب گھسٹوایا گیا۔ جب کہ مجمع (Mob) اس کے اوپر پتھروں کی پوچھاڑ کرتا رہا۔ اسی طرح ایک دوسرے شخص 'ان کاربونیر (Ann Charbonnier) کو کھبے سے چھید کر گامو اچھوڑ دیا گیا، اسی حال میں وہ دھیرے دھیرے موت کے منہ میں چلا گیا۔ ان کے علاوہ دوسرے بہت سے وہ لوگ تھے جنھیں درختوں اور شہتیروں سے لٹکا کر ان کے پٹیوں کو آہنی سلاخوں سے چاک کر دیا گیا۔ بارٹھلمیو فریش (Barthol-omeu Frasche) کی ایلریوں میں سوراخ کر دیا گیا۔ اس کے انہی کھلے ہوئے زخموں کے بیچ سے سی ڈال دی گئی اور اسی صورت سے اسے گھسیٹے ہوئے زیر زمین قید خانے (dungeon) تک لے جایا گیا جہاں پہنچتے ہی اس کی جان نکل گئی۔

ایذا رسانی کا ایک محبوب طریقہ مظلوموں کے منہ میں بارود کی چھوٹی چھوٹی تھیلیاں رکھ دینے کا تھا، جس کے بعد ان میں آگ لگا دی جاتی تھی۔ دانیال ریمباٹ (Daniel Ramblaut) بھی وہ بد قسمت شخص تھا جس کے انگوٹھے اور انگلیوں کو کسی کسی ٹکڑوں میں کاٹا گیا، ہر روز انگلی کے ایک پلور کو کاٹا جاتا تھا جس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ روٹن کیتھولک عقیدہ اختیار کرے۔ کھبے سے باندھ کر جلادینا، پانی میں ڈبوانا اور دم گھونٹ کر مارنا، نزلے موت (execution) کا عام طریقہ تھا۔

سارا رستگنول ڈیس دینس (Sara Rastignole des Vignes) بھی اپنی بد نصیب لوگوں میں سے تھی جسے اس جرم کی پاداش میں کہ اس نے اپنی زبان سے جیسس میریا (Jesus Maria) دہرانے سے انکار کر دیا تھا، اس کے شکم کے پنے حصے میں دراتی ڈھکیل دی گئی۔ اسی طرح ایک دوسری نوجوان عورت مارٹھا کانسٹانٹین (Martha Constantine) تھی جس کی پہلے تو عصمت دری کی گئی، پھر اس کے

پستانوں کو کاٹ کر مارٹھا لگا گیا۔

لہ لہ لہ حوالہ مذکور ص ۵۷

اسی طرح مورلینڈ (Morland) کا بیان ہے کہ جیکو پو میکالیو آف لوبوہو کا ایک خادم تھا، جسے اس کے پیر کے تلے اور اس کے کانوں میں چھرے سے متعدد زخم لگانے گئے یہ زخم لگانے والا لوسرنا (Lucerna) کا مشہور اور سفاک قاتل (Massacrer) گوئیلوروک (Guillermo Roche) نامی ایک شخص تھا، جس کے ساتھ اس کام میں ایک دوسرا شخص بھی شریک تھا جسے مانوڈلین (Mandolin) کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اس شخص نے اس کے بعد اس کے اعضا رستر (Privy members) کو بھی کاٹ ڈالا اور زخموں پر چلتی ہوئی موم بتی رکھ دی تاکہ اس کے شعلوں سے اسے بھون دے جس سے خون کا بہنا بند ہو جائے اور اس کے ساتھ ہی اس بچارے پر نصیب کی ایذا رسی کی مدت کچھ مزید دراز ہو جائے۔ اپنے دلخواہ طریقے پر وہ یہ سب کچھ تو کر ہی رہے تھے مزید برآں انھوں نے اس کے ناخنوں کو آگ میں سرخ کئے ہوئے ہوتیوں سے باہر کھینچ نکالا۔ اور یہ سب کچھ اسی لئے تھا کہ اسے اپنے پسندیدہ مذہب کو چھوڑنے کے لئے مجبور کر سکیں۔ لیکن جب یہ ساری تدبیریں ناکام ہو گئیں تو انھوں نے اس کی ایک ٹانگ کو لوسرنا، مارکیوس (Marquis of Lucerna) نامی ایک شخص کے اریل ٹو (Rule) (جو غالباً اس کام کے لئے معروف رہا ہوگا) کے سپر باندھ دیا اور اسی طرح اسے سڑکوں اور گلیوں میں گھسیٹتے رہے۔ یہاں تک کہ بچارے غریب کی تہ تکلیفہ زندگی قریب خاتمہ کے آگئی۔ لیکن ابھی ان کے شوق ایذا رسانی کی تسکین نہیں ہوئی تھی انھوں نے اس کی گردن کو ایک رسی سے باندھ دیا اور اسے بہت سے اور لوگوں کو ساتھ ملا کر اس شدت کے ساتھ اینٹھ کر کھینچا اور مردہ لاکہ اس کا سر اس کے جسم سے جدا ہو گیا۔

اس داستان کا سب سے زیادہ اندوہناک پہلو یہ ہے کہ مہصوم بچوں کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا۔ ان کی گردنیں ماری گئیں اور دوسرے مختلف طریقوں سے ان کے والدین کی نگاہوں کے سامنے اٹھیں قبل کیا گیا۔ بڑوں کی تو فیربات ہی کیا ہے جس کی بے شمار مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ میری پیلا نکین (Mary Pelanchion)

لہ حوالہ سابق ص ۵۸، ۵۷

محلہ خضاب کے تسم خوردوں پر ایک نظر

ایک برفہیب عورت تھی، جسے تنگا کر کے منہ کے بل دریا کے اوپر ایک پل سے لٹکا دیا گیا، اور اسی حال میں سپاہیوں کو حکم دیا گیا کہ اسے گولیوں کا نشانہ بنائیں، اسی طرح قسمت کا مارا ایک شخص ساپریا یا تیا (*Cyprinia Bastia*) بھی تھا جسے حکم دیا گیا کہ اپنا مذہب چھوڑ دے اور پاپائی، عقیدے کو اختیار کر لے۔ اس پر اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ ”اس کے بالمقابل تو میں اسے زیادہ پسند کروں گا کہ زندگی ہی سے ہاتھ دھولوں، یا کتابن جاؤں“ جس کا جواب ایک یادری نے اس طرح دیا کہ ”اس گستاخی کے جرم میں تم اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھوؤ گے اور تمہیں کتے کے منہ میں بھی دیا جائیگا“ چنانچہ باستیا کو قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ اور جب وہ سلسل خوراک نہ ملنے کے سبب مرنے کے قریب ہو گیا تو اسے بیچ شکرک میں لاکر نصب کر دیا گیا اور وہاں اسے چھوڑ دیا گیا کہ جنگلی کتے اسے اپنی خوراک بنالیں۔

اسی طرح جبیکو پوڈی رونک (*Jacopo di Ronc*) جو ’روراس‘ (*Roras*) کا ایک اسکول ماسٹر تھا پہلے تو اس کو بالکل تنگا کر دیا گیا، پھر اس کے ناخنوں (*Nails*) کو آگ میں سرخ کئے ہوئے موغیوں سے اکھاڑ دیا گیا، اس کے ساتھ ہی اس کے ہاتھوں میں سوراخ کر دیا گیا۔ بعد ازاں اس کی کمر میں ایک رسی باندھ دی گئی اور اسی صورت میں اسے ’لوسرن‘ (*Lucerne*) کی گلیوں میں خوب گھمایا گیا، اور یہ حالیکہ ایک محافظ سپاہی اس کے دونوں طرف چلتا تھا۔ باری باری جب کہ یہ جلوس آگے کو بڑھ رہا ہوتا تھا ایک سپاہی اپنی تلوار کے ذریعہ مظلوم کے جسم کے ایک ٹکڑے کو اڑا دیتا جب کہ دوسرا اس پر ڈنڈ کی بارش کر رہا ہوتا تھا۔ اور یہ دونوں طیند آواز سے اس کے سامنے صیغ رہے ہوتے ”کیا اب بھی تم عشائے ربانی میں جانے کے لئے تیار ہو“۔

ان مسلسل مظالم اور قتل و خون کا نتیجہ تھا کہ پڈمانٹ (*Piedmont*) کی دادی کے تمام دیہات اور قصبات ویرانے میں تبدیل ہو گئے، اگر کچھ لوگ جائے دار دست پر

اپنی جانیں بچانے میں کامیاب ہوئے بھی تو ان کی اکثریت جو پناہ ڈھونڈنے کی غرض سے پہاڑوں میں جا چھپی تھی یا تو وہ فلتے سے مر گئے یا مختلف قسم کی بیماریوں کا شکار ہو کر لقمہ اجل بن گئے۔

### کوئکرس (QUAKERS)

لیکن ابھی کلیسا کے ظلم و ستم کی داستان ختم ہونے کا نام نہیں لیتی جو جماعتیں اور تنظیمیں اس کے ظلم و ستم کا مسلسل نشانہ بنی رہیں ان میں ہیں ایک نام کوئکرس (Quakers) کا بھی ملتا ہے۔ یہ آزادی فکر و نظر کا علمبردار ایک مکتب فکر تھا جس کی بنیاد ۱۶۸۰ء میں جارج فاکس (George Fox) نے رکھی تھی اور اس کا نام سوسائٹی آف فرینڈس (Society of Friends) تجویز کیا تھا اس تحریک کو بڑی تیزی کے ساتھ کامیابی حاصل ہوئی۔ اور چند سال کے اندر ہی قائم شدہ کلیسا سے اپنے لئے خطرہ تصور کرنے لگا۔ چنانچہ چارلس دوم کے زمانے میں ان پر بھی نظر عنایت ہوئی اور سیکڑوں کی تعداد میں انھیں جیلوں میں ٹھونس دیا گیا۔ ان کے اثاثے ضبط کر لئے گئے۔ انھیں ہر طرح سے دبا یا گیا اور یوں کہئے کہ ایک موت کے منہ میں دینے کے سوا انھیں ہر ممکن طریقے سے دق کرنے کی کوشش کی گئی۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگوں کو پوشیدہ طور پر سخت ترین ایذا رسیدیوں کا شکار بنایا گیا۔ حالات جب ناقابل برداشت ہو گئے تو ان کی نگاہیں نئی دنیا امریکہ کی طرف اٹھیں چنانچہ ۱۶۷۶ء سے ۱۶۷۷ء تک ان کی ایک معتد بہ تعداد بوسٹن (Boston) پہنچے میں کامیاب ہو گئی۔ لیکن یہاں بھی سکون و اطمینان ان کے مقدر میں نہ تھا۔ چنانچہ جو انجام ان کا انگلینڈ میں تھا نئے انگلینڈ (امریکہ) میں انھیں اس سے بھی بدتر انجام سے دوچار ہونا پڑا۔ جہاں اپنی تبلیغ کے نتیجے میں ان کے مہنواؤں کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی تھی جس کی وجہ سے کلیسا اپنے تحفظ بلکہ بجائے خود اپنی بقا کے

محکمہ احتساب کے ستم خوردوں پر ایک نظر

لئے انھیں خطرہ محسوس کرنے لگا تھا۔

چنانچہ پورٹس (Puritans) نے انڈیکٹ (Indicots) کے گورنر کی رہنمائی میں ان پر مظالم کی ایک مہم شروع کر دی جسے مذہبی اور واداری کی تاریخ کا ایک بدترین باب ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کے نتیجے میں مردوں اور عورتوں کو انتہائی بے رحمی کے ساتھ کوڑے لگائے گئے، آہنی سلاخوں سے انھیں داغا گیا، ان کے اعضاء کی قطع و برید کی گئی اور انھیں جیلوں میں ٹھونس دیا گیا۔ بہتوں کو سیدھے سیدھے موت کے منہ میں دیدیا گیا، دوسرے بہت سے وہ تھے جنھیں فارموس (Plantations) کے لئے غلام بنا کر بھیج دیا گیا۔

میری ٹامکنس (Mary Tomkins) اور ایلیس امبروس (Alice Ambrose) کے سلسلے میں انتہائی بے دردی کے ساتھ یہ حکم نافذ کیا گیا کہ انھیں گھسی کے دنبالے سے باندھ کر (Cart's Tail) بیک وقت گیارہ قصبات کی سیر کراتے ہوتے ان پر کوڑوں کی بارش کی جائے۔ ہر قبیلے میں الگ الگ دس کوڑے ان کی برہنہ پیٹھوں پر لگائے جاتے تھے اس طرح مجموعی تعداد ایک سو دس ہوتی ہے۔ اس طرح دوسری بار ایک انتہائی ٹھنڈے دن میں انھیں ننگا کر کے تین قصبات کی سیر کراتے ہوئے ان پر کوڑے برسائے گئے۔ یادری اس منظر کو دیکھ کر قہقہے لگا رہے تھے۔ برف اور رات کی گندگیاں اس پر الگ تھیں جن کے اندر بسا اوقات آدمی ٹانگیں ڈوب جاتی تھیں یہاں تک کہ یہ لوگ 'والٹر بیر فورٹ' (Walter Barefoot) کے چارج میں آئے جس نے ان کی جاں بخشی کا سامان کیا۔

اسی طرح لیڈیا وارڈل (Lydia Wardel) کو کر سے اور پرننگا کر دیا گیا اور اسے جنگل (Fence Post) سے مضبوط باندھ دیا گیا۔ جب اس کے برہنہ پستان جنگل کی بالوں سے لگے ہوئے تھے۔ اسی حالت میں اس پر انتہائی

بے دردی کے ساتھ کوڑے برسائے گئے جن کی تعداد میں سے لے کر تیس کے درمیان تھی۔ دوسری بد نصیب عورت 'ان کولین' (Ann Coleman) تھی جس پر اس شدت کے ساتھ کوڑوں کی بارش کی گئی کہ اس کا جسم ایک انچ اندر تک بالکل بے کار ہو گیا، اور حالت یہ تھی کہ کوڑے کی گرہوں نے اس کے پستانوں کو بالکل چھلنی کر دیا تھا۔ ایک اور بد قسمت ایڈورڈ و ہارٹن (Edward Wharton) تھا جس پر کوڑوں کی مار اس بری طرح لگائی گئی تھی کہ اس کی گواہی دینے کے لئے لوگ موجود تھے کہ کوڑے کی گرہوں سے اس کی پشت اور کندھے کے گوشت میں جو سوراخ ہو گئے تھے اس میں باقاعدہ مٹر کے دانے رکھے جاسکتے تھے۔ اس کا پورا جسم زخموں سے چور تھا اور کمر سے اوپر بالکل سیاہ ہو رہا تھا۔ اسی طرح ٹامس نیو ہاؤس (Thomas Newhouse) کو پہلے تو ننگا کیا گیا پھر اسے منجھتی کے پہلے (Gun wheel) سے باندھ دیا گیا، جہاں اسے دس کوڑے لگائے گئے، اسی طرح اس کے بعد مختلف اوقات میں بگھی کے دنبالے سے باندھ کر اس پر کوڑے برسائے جاتے رہے۔

یہ ان مظالم کی ہلکی سی جھلک ہے جو اس بد نصیب گردہ لولکنرس کے ساتھ روا رکھے گئے۔ اگر اس کی تفصیل بیان کی جائے تو جی۔ آر۔ اسکاٹ کا بیان ہے کہ صرف اسی کے لئے باقاعدہ ایک تصنیف کی ضرورت ہوگی۔

### ان کارروائیوں کے پیچھے کلیسا کے بنیادی محرکات

بے دینی کے جرم میں باشندگان یورپ پر کلیسا کی طرف سے یہ جو مظالم ڈھائے گئے ان کے لئے بھی وجہ جواز شاید مشکل ہی سے فراہم کیا جاسکتا تھا اگر ان کارروائیوں کا مقصد بے آمیز طریقے پر ملک اور سماج میں عقیدے کے احترام کی بحالی اور اس کی



محکمہ احتساب کے ستم خوردوں پر ایک نظر

ساکھ اور دقار کو گرنے سے محفوظ رکھنا ہوتا اس لئے کہ جس تندیب اور ایذارسانی کا مظاہرہ ان تمام کارروائیوں میں بلا استثناء ہمیں ہر جگہ نظر آتا ہے، رحم و ترحم کی علمبردار اور اس کی سب سے بڑی نقیب مسیحیت کا تو ذکر ہی کیا دنیا کا کوئی بھی مذہب اس کا قائل نہیں، ستم بلائے ستم یہ کہ بے دینی کے خلاف جنگ کا یہ سارا ڈھونگ، کلیسا نے صرف اس لئے رچایا تھا تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ اپنی دنیا کو سنوار سکے اور عوام کے اوپر اپنے اقتدار کو مضبوط سے مضبوط تر کر سکے۔ بے بی۔ بری انتہائی دکھ کے ساتھ کہتا ہے:

”ہم یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ بے دینی کی تلاش میں کلیسا کے محرکات بنیادی طور پر ذہنی جاہ و اقتدار کی بجالی اور دیوی مفادات و اعتبارات تھے۔ اور وہ سخت تر اقدام کے لئے قدم اسی وقت اٹھاتا تھا جب کہ مزعومہ باطل عقیدے کے پھیلاؤ سے اس کے اپنے محاصل میں کمی کا اندیشہ ہوتا یا کسی دوسرے انداز سے یہ چیز سماج کے لئے خطرہ دکھائی دیتی تھی۔ اسی طرح خاص طور پر قرون وسطیٰ کے مظالم پر ایک جامع انداز میں تبصرہ کرتے ہوئے ایک دوسرا مصنف رقمطراز ہے:

”قرون وسطیٰ کے مظالم کی تاریخ پر نظر کرتے ہوئے ایک شخص اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں بالکل حق بجانب ہے کہ کلیسا (Clergy) بحیثیت مجموعی بڑی بڑی کاہنوں کے لئے جوش و جذبہ کا جو مظاہرہ کرتا تھا، اس کی بڑی وجہ خطرات تھے جو اس دنیا میں اس کے مادی مفادات کو لاحق تھے۔ دوسری دنیا میں عام انسانی رذیلوں کو کس انجام بد سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ کلیسا کے اندر اس کے سلسلے میں کوئی سچی تڑپ موجود نہ تھی، نہ اس کے تمہیں اسے کوئی پریشانی لاحق تھی۔“

اس حقیقت کا اندازہ آپ صرف اس سے کر سکتے ہیں کہ بے دینی کے دو عقیدے جنہیں پاپائیت انتہائی تباہ کن تصور کرتی تھی ان میں سے ایک تو وہ تھا جس کا مقصد اس

(1) A History of Freedom of Thought P. 40

(2) E. S. P. HAYNES: Religious Persecution p.33.

کے اعجازاتی اقتدار (Thaumaturgic Powers) پر حملہ کرنا ہوتا دوسرا وہ تھا جس کی رو سے یہ بات کہی جاتی تھی کہ جناب یسوع مسیح کی طرح ان کے شاگردوں کو بھی کسی قسم کی دولت رکھنے اور جائیداد بنانے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ چوتھوں صدی عیسوی میں جان دالی کلف (Wycliffe) اور جان ہس (Huss) کو بدترین قسم کی زیادتیوں اور ایذا رسانیوں کا شکار ہونا پڑا تھا۔<sup>۱</sup> زیادتیوں سے تو خیر کیا رشتگاری تھی پھر بھی دالی کلف زندگی میں اپنی جان بچانے میں کامیاب رہا، لیکن بیچارہ ہس اپنے کو نذر آتش کئے جانے سے نہ بچا سکا۔ یہ ۱۴ جولائی ۱۴۱۸ء کی بات ہے جب کہ حکومت وقت کی طرف سے اسے شعلوں کی نذر کر دیا گیا۔<sup>۲</sup>

شیر ہویں صدی عیسوی میں بد نصیب ایڈی جنسینز کے خلاف الوینٹ سوم نے جو کارروائی کی تھی، جن کی مختصر تفصیل اوپر گزری چکی ہے، اس کا بڑا محرک بھی تھا کہ اس مالدار طبقے سے کلیسا (Church) کو بہت تھوڑی سی رقم ہاتھ آتی تھی۔ اسی طرح بیڈینی کے مجرموں کی عام طور پر تمام جائیداد جو ضبط کر لی جاتی تھی تو اس کا بھی بڑا سبب یہی تھا کہ کلیسا (Church) کو اپنے بڑھے ہوئے اخراجات کے پیش نظر سرمائے کی قلت ہر وقت پریشان کئے رہتی تھی۔ جسے پورا کرنے کی یہ ایک بہترین صورت تھی جو اسے ہاتھ آگئی تھی۔<sup>۳</sup>

### ان مظالم کی ذمہ داری کلیسا کے سرعائد ہوتی ہے

ان تفصیلات کے بعد یہ کہنے کی کچھ حاجت نہیں رہتی کہ باشندگان یورپ پر ان مظالم کی ذمہ داری تمام تر کلیسا کے سرعائد ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اٹھارویں صدی سے قبل ہی ادارہ یورپ میں تمام تر سفید و سیاہ کا مالک تھا، براہ راست مسند اقتدار پر تکیا نہ ہونے

- ۱۔ حوالہ سابق
- (2) Carl Stephenson: Med. History Rev Ed. 422.
- (3) A History of Freedom of Thought P40.
- (4) History of Torture Throughout the Ages P.53.

حکومت کے ستم خوروں پر ایک نظر

کی صورت میں بھی اقتدار کا اصل حشرِ شمشیر ہی تھا۔ اور وقت کے سیکر حکمرانوں کو فی الحقیقت وہ اپنی مٹھی میں لئے ہوتا تھا اس کی مرضی سے باہر وہ ایک ایچ قدم نہیں رکھ سکتے تھے۔ اس کے واضح احکامات سے انحراف کا تو کیا سوال پیدا ہوتا ہے اس کے چشم و ابرو کے انداز کو نظر انداز کرنے کی بھی ان میں ہمت نہ تھی۔ چنانچہ خود اس بے دینی کے سلسلے میں ان کو بے بسی کا اندازہ آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ چرچ نے باقاعدہ یہ اصول نافذ کر دیا تھا کہ کوئی بھی مقتدر اعلیٰ (Sovran) اپنے تخت و تاج کا اسی شرط پر استحقاق پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنے زیر انتظام علاقے سے بے دینی کو نکال باہر کرے گا۔ اگر یورپ کا زمانہ مل جائے کے بعد بے دینیوں کی سرکوبی کے سلسلے میں وہ ذرا بھی بچکچا سٹ کا مظاہرہ کرتا تو اسے یک لخت کچل کر رکھ دیا جاتا تھا۔ وہ اپنی تمام آراضی کا استحقاق کھو بیٹھا تھا۔ ادارہ اس کے زیر انتظام تمام علاقوں کے سلسلے میں اس کی کھنی چھوٹ ہو جاتی تھی کہ کوئی بھی شخص حملہ کر کے اس پر قابض ہو سکتا ہے بشرطیکہ اسے کیسا سے اس کی باقاعدہ اجازت حاصل ہو۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بے دینیوں کے معاملے میں ملکی حکومت بالکل بے بس تھی۔ اور اس کے سامنے اس کے سوا کوئی دوسرا چارہ کار نہ تھا کہ وہ مزعومہ مجرموں پر موت کی سزا نافذ کرے جس سے انحراف کی صورت میں اسے بھی بے دینی کے فروغ کا ملزم بنا پڑتا تھا۔ تمام شہزادے اور سرکاری افسران مقدس قانون (Canon Law) کی رو سے اس کے پابند تھے کہ انکو نیشن کی طرف سے انھیں جن بے دینیوں کو بھی حوالہ کیا جاتا ہے انھیں وہ قرار داقمی سزا دیں بصورت دیگر وہ کیسائی حقوق سے محرومی (excommunication) کی سخت سزا کے مستحق قرار پاتے تھے۔ اسی وجہ سے سی۔ بی۔ گورہام کے اس خیال سے اتفاق کرے پرا دمی مجبور ہوتا ہے کہ:

”اس میں شک نہیں کہ ان خوفناک کارروائیوں کے سلسلے میں حکومت و سیاست کو بھی بہت کچھ دخل تھا، لیکن بڑھے ہوئے اثرات فی الواقع چرچ ہی کے تھے، اس لئے ان شرمناک حرکتوں کی ذمہ داری اصلاً چرچ ہی کے سرعائد ہوتی ہے۔“

(۱) A History of Freedom of Thought P. 41 (۲) حوالہ مذکورہ (۳)

(3) C. F. Gorham: Religion as a Bar to Progress P. 33